ابوشہیم خان

اردو نظموں کے انگریزی تراجم

ترجمے کے نظریات بنیادی طور پر علم لسان اور علم معانی سے منسلک ہیں۔ یہاں تک قدیم زمانے میں بھی علم لسان و علم معانی سے وابستہ جو افکار و نظریات سامنے آئے ان کا مقصد لفظ کے ارتقائی معنوں کی ترسیل تھی۔ یعنی لفظ اپنے ارتقائی سفر کے دوران جو معنوی جہتیں اختیار کرتا ہے انھی کو سامنے رکھ کر اس کے معنی متعین کیے جاتے ہیں اور الفاظ کی تہہ میں موجود معنوی جہتوں کو مطلوبہ زبان میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اکیلا ڈی پونٹس (Aquilla de pontas)، جان پروے (John Purvey) وغیرہ جیسے نظریہ سازوں نے اس کی حمایت کی۔ بعض لوگوں کا ماننا ہے کہ ہندوستان میں بھرتری ہری نے اس نظریے کو نیا موڑ دیا جب انھوں نے یہ کہا کہ لفظ اپنی ذات میں کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ سیاق و سباق اس کا معنی طے کرتے ہیں۔ بعد میں نوم چومسکی اور دریدا وغیرہ نے بھی اس نظریے کی حمایت کی۔ نوم چومسکی کے مطابق:

"Human mind share a sub-system that allows us to process and interperate expression over an infinite range."

اس کے علاوہ سسیر و دریدا، لاکاں وغیرہ نے اسی نظریے کے ماتحت زبان کی Arbitrariness کا نظریہ پیش کیا ہے۔ ایڈورڈ سعید نے بھی اپنی کتاب The Text, the Critic and the World میں اس نظریے کی حمایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ نظریہ سب سے پہلے عرب محقق علی ابن حزم (Ibn Hazm) نے پیش کیا تھا جب کہ جارج اسٹینر (George Steiner) اور اتمار ایون زوہر (Itmar Evon Zoher) کے مطابق زبان تہذیب کے ساتھ مخصوص ہے یا تہذیب زبان کے ساتھ نیز متن کی تفہیم کے متعلق مختلف نظریات خصوصاً دریدا کا یہ نظریہ کہ لفظ کے اپنے کوئی معنی نہیں ہوتے معنی تو اسے قاری عطا کرتا ہے۔ یعنی علم لسان کے مختلف نظریات اور تفہیم متن کے مختلف نظریات کا اگر ترجمے کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو ترجمے کے مسائل و مشکلات مزید پیچیدہ اور دقت طلب ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر لفظ کسی خاص معنی کے لیے نہیں استعمال ہو رہا ہے تو ہمیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ شاعر و ادیب کی اس سے مراد کیا تھی اور اس کے ہم عصروں نے اس کو کس طرح سمجھا تھا۔ اگر ہم ان کو جان بھی لیں تو ان معانی و مطالب کو مترجم کی سمجھ میں بھی